اُردو نظم ـــــ مفہوم، مدارج اور میلانات

طارق ہاشمی

ABSTRACT:

"Urdu poem has different phases in its developmental process. There was no any concept of thematic poem in classical age of Urdu poetry but Nazeer Akbar Abadi is an exception who wrote poems on themes. Modern Urdu poem is started in colonial period of India. Muhammad Husain Azad, Hali and some other poets wrote thematic poems from the platform of Anjuman-e-Punjab. Progressive poets wrote poems on social and economical issues.On the other hand poets who were affiliated with Halqa Arbab-e-Zoq focused on inner feelings and individuality of man. Movement of new poetry started after 1960. Poets who were affiliated with new poetry movement raised some philosophical questions about man and new issues of modern society."

اردو نظم اب تک کتنی بہاریں اور خزائیں دیکھ چکی ہے اور مختلف ادوار میں کیا میلانات سامنے آئے۔ اس سوال کے جواب نیز اس کی تفصیل میں پیش ہونے والے مندرجات کی نوعیت کو سمجھنے سے پہلے اس امر کی تفہیم ضروری ہے کہ نظم کیا ہے اور اردو شاعری کے ماحول میں نظم سے کیا مراد لی جاتی ہے۔

ادبی پیرایۂ اظہار کے اصطلاحی مفہوم کے طور پر دنیا بھر کی زبانوں کے ادب میں ہر نوعیت کا منظوم سرمایہ ہے۔ یعنی ہر وہ ادبی متن جو نثر کے علاوہ ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظم اپنے بنیادی مفہوم میں تمام تر شاعری ہے۔ اُردو شاعری میں غزل کی الگ شناخت قائم ہونے سے اس صنف میں ہونے والی شاعری کو نظم نہیں کہا جاتا رہا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے تو نظم کی آسان اور جامع تعریف ہی یہی کی ہے کہ:

''ہر وہ منظوم کلام جو غزل نہ ہو، نظم ہے۔''(۱)

یہ بھی حقیقت ہے کہ کلاسیکی دور میں نظم کا ارتقا کچھ مخصوص یا غیر موضوعاتی اصناف قصیدہ، مرثیہ، مثنوی یا شہر آشوب وغیرہ کا مرہونِ منت رہا۔ نظم کا وہ مفہوم جو اردو شاعری میں انیسویں صدی کے نظمیہ مشاعروں سے مروج ہوا، قدیم اردو شاعری میں بہت کم رواج پا سکا۔

غزل کے اندر قطع بند یا مسلسل غزل کے ذریعے کسی موضوع پر کچھ اشعار، اس طرح شہر آشوب کی روایت کے تحت شہر کی صورتِ حال پر کچھ منظوم اظہارِ خیال کی صورت میں موضوعاتی نظم کی کچھ ابتدائی صورتیں ضرور سامنے آتی ہیں اور یہ کہنا بہت حد تک درست ہے کہ:

''اردو شاعری میں منظومات یا نظم نگاری کے تجربات دکنی دور سے شروع ہو گئے تھے۔''(۲)

لیکن ان تجربات نے انیسویں صدی کے ربع آخر تک کوئی واضح شکل اختیار نہیں کی تھی اور اس دور میں زیادہ تر غزل یا مخصوص اصنافِ سخن کا رواج ہی پختہ رہا۔ اُردو شاعری کے جمالیاتی معیارات کے پیمانے جب موضوعاتی نظم کو قطعی طور پر قابلِ اہمیت خیال نہیں کر رہے تھے، نظیر اکبر آبادی نے اُسے لائقِ لحاظ سے سمجھا اور ایک وسیع سطح پر تخلیقی سرمایہ بہم پہنچایا۔

نظم کے سفر میں نظیر کی اہمیت جہاں فنی اور ہیئتی سطح پر ہے، وہاں یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ نظیر نے انسانی معاشرے، اُس کی متنوع دلچسپیوں اور ثقافتی رعنائی کو اپنی منظومات کا موضوع بنایا اور میلوں ٹھیلوں کی تمثالوں کے ذریعے بین السطور یہ پیغام دیا کہ زندگی کی یہ رونق صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب انسان امتیازات اور تفریقات کو ترک کر کے مساوات پر مبنی نظامِ حیات کو فروغ دیں چنانچہ وہ اپنی شاعری میں ایک ایسے فرد کی تلاش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو مذہب و ملّت کے مصنوعی امتیازات سے ماورا ایک انسان ہو اور وہ خود شناسی سے خدا شناسی تک کے سفر کو تقسیم پر مبنی تعلیمات کی بجائے اتحاد اور اکائی کے پیغام کی روشنی میں طے کرے۔

اردو میں جدید نظم جسے موضوعاتی نظم بھی قرار دیا جا سکتا ہے کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب مغربی اور مشرقی تہذیبیں اپنے ملاپ سے ایک نئے ادبی امتزاج کو جنم دیتی ہیں۔ اس عہد میں محمد حسین آزاد کی انجمن پنجاب'' کی تحریکی کوششوں سے اُس نظم کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے جسے جدید کہا جاتا ہے اور نظیر اکبر آبادی کی انفرادی کوشش کے بعد اس عہد میں ایک اجتماعی عمل کے ذریعے موضوعاتی نظم کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ اس تناظر میں یہ نقطۂ نظر بہت حد تک درست ہے کہ محمد حسین آزاد نے:

اُردو کی جدید شعری روایت کی تشکیل کا کام آغاز کیا اور ان معنوں میں وہ روایت ساز شاعر تھے
جدید نظم کی روایت پر کام کرنے والے ہر نقاد کو لامحالہ انھی سے آغاز کرنا پڑتا ہے۔''(۳)

مولانا حالی کے مقدمہ شعر و شاعری میں نیچرل شاعری کے تصور نے بھی شعرا کو غزل کے بجائے نظم کی طرف راغب کیا۔

اس عہد کے اہم شعرا میں محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اسمٰعیل میرٹھی اور اکبر الٰہ آبادی نمایاں ہیں۔ ان شعرا کے شعری مزاج میں وہ مقصدیت نمایاں ہے جو سرسید تحریک کے مجموعی ادبی سرمایے میں دکھائی دیتی

ہے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ شعرا جہاں بعض ایسے موضوعات کو اختیار کرتے ہیں جو بہت معمولی نوعیت کے ہیں اور ان کا اظہار بھی ایک ہلکے پھلکے اسلوب میں ہے وہاں سرسید تحریک کی فکری گمبھیرتا کے باعث قومی سطح کے متعدد گہرے موضوعات پر بھی نظمیں ملتی ہیں۔ یہی وہ دور ہے جس میں حالی کی ''مسدس مدوجذرِ اسلام'' جیسی پہلی اہم اور طویل نظم تخلیق ہوئی۔

سرسید تحریک کی مقصدیت کے ردّعمل اور انگریزی نظم کے تراجم منظر عام پر آنے کے باعث میں اُردو میں رومانی رجحان کو فروغ ملا جو ایک طرف افسانوی ادب کی صورت میں سامنے آنا شروع ہوا تو دوسری طرف نظم بھی متاثر ہوئی۔ اگرچہ اقبال اپنی فکری وسعت کے باعث رومانی شاعر کے طور پر نہیں پہچانے جاتے لیکن ان کی بعض نظمیں ایسی ہیں جن میں رومانیت کا عنصر ابھر کر سامنے آتا ہے۔

اردو میں رومانیت پسند شعرا میں اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، نادر کاکوروی، خوشی محمد ناظر، محسن کاکوری اور نظم طباطبائی قابلِ ذکر نام ہیں۔

انجمن پنجاب کے زیر اہتمام شاعروں کے ہلکے پھلکے موضوعات اور بعد ازاں میلانات کے بعد اردو نظم ۳۰ کی دہائی میں فکر و اسلوب کی سطح پر ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کی صورت میں دو الگ الگ دھاروں میں موجزن نظر آتی ہے۔ جبکہ چند نظم نگار اپنی انفرادی آواز کے ساتھ بھی نمایاں ہیں۔

ہندوستان میں انیسویں صدی کے سیاسی اور سماجی ماحول میں غیر ملکی نوآبادیاتی آقاؤں کے باعث کئی ایک مسائل نے جنم لیا۔ اگرچہ قومی سطح کی فکر اور سماجی شعور سرسید احمد خان اور ان کے رفقا نے بھی بیدار کیا تھا تاہم جنگ، بھوک اور جہالت ایسے بہت سے انسانی سطح کے ایسے سماجی مسائل تھے جو الگ توجہ چاہتے تھے۔ یہ وہ مسائل تھے جو عالمی سطح پر بھی موجود تھے اور ادیبوں کو ان مسائل کے حل کے لیے رہنما کا کردار ادا کرنے کے لیے جہاں عالمی سطح پر بھی ترغیب دی جارہی تھی وہاں ہندوستان میں مقامی سطح پر بھی اس سماجی دانش کو فروغ دیا جانے لگا۔ جس کے باعث انجمن ترقی پسند مصنفین نے جنم لیا اور اُردو میں ترقی پسند رجحانات کی پذیرائی ہونے لگی۔

ترقی پسند تحریک، ادبی تحریک کے ساتھ ساتھ معاشیات کی اُس بڑی فکری روایت کے ساتھ بھی جڑی ہوئی تھی جس کے سوتے مارکس کے مادی جدلیات کے نظریے سے پھوٹتے ہیں۔ اس تحریک کے نظریہ سازوں نے انسان کی عصری صورتِ حال کی تفہیم کے لیے تاریخ اور اُس میں معیشت کی بنیاد پر طبقاتی کشمکش کو سمجھنے کی کوشش کی اور مستقبل کے لیے ایک ایسا نظامِ فکر تشکیل دیا جو موجود اور آئندہ نسلوں کی خوشحالی کی ضمانت دے۔

اس تحریک سے وابستہ شعرا نے اپنی شعری تخلیقات میں انسان کو تاریخ کے مذکورہ اقتصادی حقائق کی روشنی میں دیکھا اور خوشحالی کی اس امید کو نظم کیا جو کارل مارکس کی معاشی جدلیات کے نظریے میں انسانیت کو دلائی گئی تھی۔

اہلِ قلم کی اگرچہ ایک بہت بڑی تعداد ہے جو ترقی پسند تحریک کے منشور کے فروغ کے لیے کوشاں معاشرے میں عدل اور امن کے خواب دیکھ رہے تھے تاہم جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، ظہیر کاشمیری، اسرار الحق مجاز، علی سردار جعفری اور احمد ندیم قاسمی ایسے شعرا ہیں جنھیں اہم نمائندہ آوازیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ گو کہ احمد ندیم قاسمی نے

ترقی پسند تحریک کے فکری نظام کو پوری طرح اپنے باطن میں جذب نہیں کیا اور نہ دیگر اہم شعرا کی طرح اُن کے ہاں شعری ترفّع ہے۔

سرسید تحریک اور ترقی پسند تحریک نے مختلف الخیال ہونے کے باوجود ادب کے بارے میں دونوں تحریکوں نے جس نوع کی نظریہ سازی کی، اُس نے یہ عقیدہ راسخ کر دیا تھا ادب کو زندگی کا راہنما ہونا چاہیے اور اہل قلم کے تخلیقی عمل سے اگر مذکورہ افادیت حاصل نہیں ہوتی تو شعر ہو یا کہانی، ایک کارِ بے سود ہے۔ تخلیقی عمل کا تمام رنج و محن اس لیے کھینچا جائے کہ زندگی کا پہیہ ناہموار پگڈنڈی کے بجائے ہموار رستے پر چلنے لگے۔ اپنے سماجی تناظر میں یہ نظریہ سازی ایک ضرورت بھی تھی کہ ہندوستانی باشندے غلامی اور غربت کے مسائل میں گھرے ہوئے تھے اور اس ''تاریک بہیمانہ طلسم'' سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اہلِ دانش جس بہترین سوچ کی پیشکش کر سکتے تھے، وہ ادب کا مذکورہ افادی نقطۂ نظر ہی تھا۔

اس کے برعکس حلقۂ اربابِ ذوق نے ادیبوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں اجتماع سے زیادہ فرد کے مسائل نے اہمیت اختیار کی اور ادب کے بارے میں افادی زاویہ نظر کے بجائے جمالیاتی نقطۂ نگاہ فائق قرار پایا۔ اس پلیٹ فارم پر ادیبوں کا اجتماع ترقی پسند تحریک کا کوئی ردعمل تو نہ تھا لیکن ترقی پسند تحریک کی مخصوص معاشی فکر اور ادب کے واضح نصب العین کی پیروی کے اسلوب نے اِن ادیبوں کی اپنی طرح داری کو ایک الگ شناخت ضرور عطا کی۔

حلقۂ ارباب ذوق سے وابستہ اہلِ قلم نے ہندوستان کے سماجی حالات سے کوئی روگردانی تو نہ کی لیکن ادب کے تخلیقی عمل کے بارے میں ترقی پسندوں سے مختلف اندازِ نظر اختیار کرتے ہوئے اُن رجحانات کے فروغ میں بھی اپنا کردار ادا کیا جو عالمی سطح پر ادب کی جمالیاتی قدروں کے علمبردار تھے۔ بقول انتظار حسین:

> ''حلقۂ ارباب ذوق ایک ایسے وقت میں وجود میں آیا تھا، جب اردو ادب ایک نئی فکر اور ایک نئے طرزِ احساس سے روشناس ہو رہا تھا۔ اس امر میں پورے ادب کا کینڈا بدل چلا تھا۔''(۴)

نئے طرزِ احساس کے فروغ سے ادب کا کینڈا کس حد تک تبدیل ہوا، یہ ایک الگ سوال ہے لیکن حلقہ سے وابستہ شعرا نے اپنے احساس کی عکاسی کے لیے جس اسلوبِ بیان پر زور دیا، اُس پر موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مواد کی پیشکش کے قرینوں اور ہیئت کی جمالیاتی حدود کا لحاظ ایک ترجیح کی حیثیت رکھتا تھا۔

ان شعرا کی فکری انفرادیت میں یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ اِن تخلیق کاروں میں اجتماع کی رو سے فرد کے مسائل کو سمجھنے کے بجائے فرد کے اپنے داخلی احساسات کی روشنی میں اُس کے کرب کی تفہیم حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اِن کے نزدیک فرد کی آزادی ایک بڑا فکری مسئلہ تھا لیکن یہ کسی فکری منصوبہ بندی کے تحت کسی مستقبل کے خواب نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ فرد کی عصری صورتِ حال کی عکاسی کے ذریعے اُس کے دکھ کا اظہار کر رہے تھے۔ عقیل احمد صدیقی نے حلقۂ اربابِ ذوق کے شعرا کے سماجی اور معاشرتی موضوعات و مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''میرا جی اور حلقہ کے دوسرے شاعر فیوچر سٹ نہیں۔ وہ مستقبل کا کوئی ایسا نظریہ نہیں رکھتے جس کی روشنی میں اپنے ماحول کا جائزہ لیں لیکن یہ سب فرد کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور فرد پر سماج میں جو کچھ بیتتی ہے اُسے موضوع بناتے ہیں۔'' (۵)

اُردو نظم کے ارتقائی سفر میں جہاں اُن شعرا کا تخلیقی سرمایہ لائقِ اہمیت ہے جو خود کو کسی خاص نظریے یا گروہ سے وابستہ کر کے ایک قافلے کا حصہ تھے تو وہاں بعض ایسے شعرا کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اس سفر میں قطعی طور پر علیحدہ یا قدرے الگ ہو کر چل رہے تھے۔

اِن شعرا کا کسی قافلے کا حصہ نہ بننے یا اُس سے الگ ہو جانے کے کئی ایک اسباب ہو سکتے ہیں :مخصوص نظریے سے اختلاف یا اُس نظریے کے علمبرداروں کی راسخ العقیدگی کے باعث کچھ اہل قلم کی عدم قبولیت، انفرادیت پسندی یا نظریاتی وابستگی کے باوجود بعض زمانی حقائق کے باعث کسی گروہ سے الگ رہنے کا خیال۔ اِس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ممکن ہے کہ بعض شعرا ایک ایسے وقت میں اپنی تخلیقی شناخت بناتے ہیں جب ایک نظریہ اپنی طبعی عمر پوری کرنے کو ہوتا ہے جبکہ دوسرا کوئی نظریہ ابھی پاؤں پاؤں چلتا دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا ایسے شعرا تاریخِ ادب میں کسی مخصوص گروہ یا نسل میں شمار نہیں کیے جا سکتے۔

آزاد طور پر تخلیقی سفر جاری رکھنے کا مذکورہ شعرا کو اپنی شناخت کی بقا کے سلسلے میں فائدہ بھی ہوا اور نقصان بھی۔ فائدہ اپنی الگ تخلیقی پہچان کا جبکہ نقصان یہ کہ بعض وہ شعرا جو تخلیقی طور پر اتنی پائیداری نہیں رکھتے تھے مگر نظریاتی وابستگی کے باعث ناقدین نے اُن پر اتنا لکھا کہ آزاد طبع تخلیق کار قدرے پس منظر میں چلے گئے۔

اردو تنقید کا یقیناً یہ ایک المیہ رہا ہے کہ اُس نے متن سے زیادہ نظریہ یا ادبی فضا میں تخلیق کار کے بارے میں عام تاثر کو زیادہ اہمیت دی، جس سے تاریخِ ادب کے مدّ و جزر کو سمجھنے میں آج بہت سے الجھاؤ موجود ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر الگ طور پر لکھے جانے کی ضرورت ہے۔

اُردو نظم میں جن شعرا کے تصورِ انسان پر اِس وقت ذکر مقصود ہے اُن میں مجید امجد، اختر الایمان، منیر نیازی، عزیز حامد مدنی، وزیر آغا اور مصطفےٰ زیدی شامل ہیں۔

۱۹۶۰ء کے بعد اُردو نظم کے منظر نامے پر نظر ڈالیں تو اپنے سابقہ رجحانات کے برعکس ایک نیا میلان جنم لیتا ہے جو نئی نظم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نئی نظم کیا ہے اور اس کا فکری یا فنی نظام کیا ہے۔ اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہر عہد کی شاعری اپنی ایک الگ اور منفرد فکری اساس بھی رکھتی ہے اور اُس عہد سے وابستہ شاعر زندگی کی تفہیم کے لیے بعض نئے سوالات پر بھی غور کرتے ہیں۔ نئی نظم کی منفرد فکری اساس اور نیا سوال انسان کے تشخص سے متعلق ہے۔ اگرچہ یہ سوال کچھ نیا نہیں ہے کہ انسان کیا ہے اور کائنات میں اُس کا جواز یا مقصد کیا ہے؟ لیکن نئی نظم کے شاعر کے سامنے اس سوال کی وہ نوعیت نہیں جو اردو کے کلاسیکی شعرا کے ہاں تھی یا بعد ازاں قومی طرزِ احساس کے حامل شعرا اور ترقی پسند اہلِ قلم کے ہاں پائی جاتی ہے۔

اردو کے کلاسیکی شعرا سے لے کر اقبال تک اس سوال کے جواب کے لیے مذہب یا تصوف سے وابستہ فکری

نظام شاعروں کو ایک فکری معاونت فراہم کرتا تھا جبکہ ترقی پسندوں نے اس سوال پر فلسفیانہ انداز میں غور کرنے کے بجائے دنیا میں انسان کے معروضی حالات کو بدلنے کا خواب دیکھنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

نئی نظم کے شاعر کے سامنے انسان کیا ہے؟ کے سوال کی نوعیت سمجھنے کے لیے جیلانی کامران کی درج ذیل سطور بہت معاون ہیں:

''جو مسئلہ نئی نظم کے شاعر کو درپیش ہے، وہ فلسفیائی نوعیت کا ہے اور اس سوال سے پیدا ہوتا ہے کہ میں کون ہوں؟ نئی نظم کا شاعر یہ نہیں پوچھتا کہ دنیا کیا ہے؟ معاشرہ ایسا کیوں ہے؟ کائنات کیا ہے؟ وہ صرف اپنی شناخت چاہتا ہے۔''(۶)

یعنی نئی نظم کا شاعر انسان کے بارے میں مذہبی، صوفیانہ اور یا کسی دیگر فلسفیانہ نظامِ فکر کا سہارا لیے بغیر اپنے ہی تخیل اور تخلیقی کرب سے گزرتے ہوئے اپنی شناخت کے مسئلے سے دوچار ہے۔ وہ انسان کی ماہیت پر غور نہیں کرتا بلکہ اپنے تشخص کا تعین کرتے ہوئے اپنے ہونے یا نہ ہونے کے جواز پر سوچتا ہے۔

اردو میں نئی نظم کے ظہور کا زمانی تعین اگر کیا جائے تو کسی ایک سال یا دہائی کے ذکر سے بہتر ہے کہ اُس نسل کو سامنے رکھا جائے جو ترقی پسند تحریک یا اُس عہد کے دیگر قابلِ ذکر شعرا کے تخلیقی عہد کی تکمیل کے بعد سامنے آئی اور جس کا شعری مزاج اور اسلوب قطعی طور پر مختلف ہے۔

اِس نسل کے شعرا کے اہم ناموں میں سلیم احمد، جیلانی کامران، اختر حسین جعفری، صفدر میر، سلیم الرحمٰن، افتخار جالب، جاوید شاہین، انیس ناگی، سرمد صہبائی، زاہد ڈار، ساقی فاروقی، آفتاب اقبال شمیم، عبدالرشید، سہیل احمد خاں اور ڈاکٹر سعادت سعید شامل ہیں۔

نئی نظم سابقہ رجحانات سے کس طرح مختلف ہے۔ اس کے لیے درج بالا دلائل کے ساتھ ساتھ ذیل کے نکات بھی پیشِ نظر رہنے چاہئیں:

۱۔ نئی نظم سے وابستہ شعرا کسی مخصوص مذہبی، سیاسی یا سماجی تحریک سے نہ متاثر تھے، نہ وابستہ تھے۔

۲۔ نئی نظم کے شعرا نے انسانی مسائل پر غور فکر کے لیے پہلے سے موجود کسی فکری نظام کا سہارا نہیں لیا۔

۳۔ نئی نظم کے شعرا کا طرزِ اساس نئی شہری زندگی کے مسائل سے جڑا ہوا ہے جس میں وجودی کرب اور لایعنیت کا احساس غالب ہے۔ نیز ان شعرا کے ہاں زندگی کے سفر کی بے سمتی کے باعث فرد کی تنہائی کا دکھ بھی نمایاں ہے۔

۴۔ اسلوب کی سطح پر نئی نظم میں ابہام کا عنصر اپنے ماقبل کی شعرا کی نسبت زیادہ ہے اور اس کی تفہیم کے لیے ناقدین یا قارئین کو خاصی ذہنی مشق کرنا پڑتی ہے۔ اس کے باوجود بھی ضروری نہیں نظم کے کسی بنیادی مفہوم تک آسانی سے رسائی ممکن ہو۔

۵۔ نئی نظم کے بعض شعرا کے ہاں نظم کے بارے میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کی نظریہ سازی کی آمیزش بھی نظر آتی ہے یعنی ان شعرا کی فکری سطح ترقی پسندانہ ہے مگر انہوں نے اظہار و ابلاغ کے لیے ترقی

پسند اسلوب کو قبول نہیں کیا اور نظم کو علامتی یا اشارتی نظام کے تحت تخلیق کیا۔

اُردو نظم کے معاصر ماحول پر نظر ڈالیں تو یہ جن فکری و اسلوبی تجربات کے بعد تشکیل پایا ہے وہ زمانی اعتبار سے بہت طویل نہ سہی لیکن اپنے اندر تنوّع ضرور رکھتا ہے۔ عصری فضا میں پائی جانے والی فکری گمبھیرتا ہے یا عالمی سطح پر انقلابی اور ادبی تحاریک کا اثر کہ زبان کی کم عمری اور ادبی ارتقا کے محدود زمانی عرصے کے باوجود اردو نظم نے اپنے باطن میں کئی ایک انسانی تجربات کے حیرت انگیز تخلیقی اظہار کی صلاحیت پیدا کی ہے۔

جدید نظم کے وہ خدوخال جن کی تشکیل کی ابتدا راشد اور میراجی نے کی، ۶۰ کی دہائی میں ابھرنے والے شعرا کی ایک بڑی کھیپ نے اپنے اپنے اسلوب میں انھیں تزئین آشنا کیا۔ ان شعرا کے ہاں فکر و بیان کی سطح پر وہ مبارزت بھی انجام کو پہنچتی دکھائی دیتی ہے جو تیس کی دہائی میں ترقی پسندوں اور حلقے کے شعرا کے مابین بعض ادبی عقائد کی بنیاد پر گرم رہی تھی۔ ان شعرا کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ ان کی شناخت کے تعیّن میں کسی تحریک کے ڈسکورس کو دخل نہیں ہے، یہ الگ بات کے بعض شعرا کو جدیدیت کی فکر سے جوڑ کر بھی دیکھا گیا۔

۱۹۷۰ کے بعد اردو نظم کی فضا میں سامنے آنے والے شعرا رفیق سندیلوی، افضال احمد سید، علی محمد فرشی، جاوید انور، اختر عثمان، پروین طاہر، انجم سلیمی، مقصود وفا، سلیم شہزاد، نصیر احمد ناصر اور سعید احمد کا یہ اختصاص ہے کہ ان کی پہچان یا عدم شناخت کا مسئلہ کسی تحریک یا مخصوص ادبی رجحان کے بجائے خالصتاً متن سے جڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شعرا نے بھی متن کے قرینوں اور شعری اظہار کے سلیقوں پر زیادہ توجہ کرتے ہوئے نظم میں بیان کے نئے پیرائے تلاش کیے ہیں۔

فکری لحاظ سے ان شعرا نے بھی اپنے عصری ماحول سے عدم اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کسی نئے انسان کی جستجو کو ترجیح دی ہے لیکن پیرایۂ اظہار کے بالواسطہ پن کے باعث ان شعرا کے تصورات قدرے مبہم ہیں۔ ابہام سے مراد یہ نہیں کہ یہ شعرا فکری طور پر کسی تذبذب کا شکار ہیں بلکہ یہ ابہام اسلوب کے اکہرے نہ ہونے کے باعث ہے اور جن نظموں میں ان شعرا کے تصورِ انسان کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تشریح و توضیح کسی اور سطح پر بھی ممکن ہے اور نظم کا علامتی نظام کسی اور فکر یا طرزِ احساس کے ساتھ بھی جوڑ کر دیکھا جا سکتا ہے۔

نظم کا یہ سرمایہ اُن سوالات کا تسلسل بھی ہے جو اردو نظم یا عالمی نظم میں اٹھائے جاتے رہے ہیں۔ یہ سوالات مابعدالطبیعات سے بھی متعلق ہیں اور انسانی سماج اور اس کے مسائل سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ اِس کے علاوہ نظم کے معاصر منظرنامے پر عالمی حالات کے باعث بعض نئے استفہامیے بھی رقم ہوئے ہیں۔ زمین پر انسان کا وجود کیا معنی رکھتا ہے؟ وقت کے بہاؤ اور جبر کے باعث انسانی زندگی کے چند برسوں کی حقیقت کیا ہے؟ انسانوں کے مابین تضاد، تفریق اور تفاوت کے اسباب کیا ہیں؟ اِن عناصر کی تشکیل میں مذہبی عقائد کا کتنا دخل ہے اور کیوں ہے؟ طبقات کی اصل بنیاد کیا ہے اور اب تک اسے تلاش یا ختم کرنے میں انسانی افکار کیوں ناکام رہے ہیں؟ کیا اہلِ علم و فلسفہ نے انسانی زندگی کو تبدیل کرنے میں کوئی مثبت کردار ادا کیا ہے یا انسانی تفریق و تضاد کو جواز فراہم کرنے کے لیے علمی بنیادیں فراہم کرتے رہے ہیں؟ انسانی فکر کا ارتقا اس کی سوچ میں تبدیلی کا باعث بنا یا محض وسائل کی بہتری

تک محدود رہا؟ جنگ کی وحشت کم کیوں نہیں ہوئی؟ جنگوں سے مخصوص طبقے تو استفادہ کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں کو داؤ پر کیوں لگا دیا جاتا ہے؟

نظم کے معاصر ماحول کے تخلیق کاروں نے مذکورہ استفہامیوں کے لیے نئے شعری قرینے بھی تلاش کیے ہیں۔ متنوع اور تہ دار علامتیں، تجریدی اظہار اور ابہام نے نظم کو نئی جمالیاتی اقدار سے روشناس کیا ہے۔ مگر جس طرح یہ شعرا نظم کے اظہاری قرینوں کو تازہ جمالیات سے مزیّن کر رہے ہیں، فکری سطح پر انسانی معاشرے کے لیے ایسی اقدار کی تلاش میں ہیں جو کرۂ ارض پر دہشت و وحشت کے خاتمے اور امن و محبت کے فروغ کے لیے معاون ہوں اور کرۂ خاکی پر اُس نئے فرد کا ظہور ہو جو اِن اقدار کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کر سکے۔

حوالہ جات:

(۱) شمس الرحمٰن فاروقی، تعبیر کی شرح، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱۷

(۲) خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر: انتخاب زریں—اردو نظم، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۷، ص ۱۴

(۳) ضیا الحسن، ڈاکٹر، ''جدید اردو نظم کے فروغ میں آزاد کی خدمات''، مشمولہ: آزاد صدی مقالات، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۲

(۴) انتظار حسین، حلقہ اربابِ ذوق، یونس جاوید، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴

(۵) عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم-نظریہ اور عمل، علی گڑھ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص ۱۹۹

(۶) جیلانی کامران، نئی نظم کے تقاضے، لاہور: کتابیات، ۱۹۶۷ء، ص ۱۲